منتخب نصاب (درس ۲۶)

ڈاکٹر اسرار احمد

اُمت مسلمہ سے خطاب کے ضمن میں قرآنِ حکیم کی جامع ترین سورت

اُمُّ المُسَبِّحات: سورۃ الحدید

(۱۶)

نحمدہٗ ونصلی علٰی رسولہ الکریم ...... امّا بعد:

اعوذ باللّٰہ من الشَّیطٰن الرَّجیم ۔ بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ ۚ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ فِیْهِ بَاْسٌ شَدِیْدٌ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ وَلِیَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ یَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَیْبِ ؕ اِنَّ اللّٰهَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾ (الحدید:۲۵)

﴿هُوَ الَّذِیْۤ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ كُلِّهٖ وَلَوْ كَرِهَ الْمُشْرِكُوْنَ ﴾ (الصف:۹)

﴿یٰۤاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا كُوْنُوْۤا اَنْصَارَ اللّٰهِ كَمَا قَالَ عِیْسَی ابْنُ مَرْیَمَ لِلْحَوَارِیّٖنَ مَنْ اَنْصَارِیْۤ اِلَی اللّٰهِ ؕ﴾ (الصف:۱۴) ...... صدق اللّٰہ العظیم

سورۃ الحدید اور سورۃ الصّف کی دو آیات کا تقابلی مطالعہ

سورۃ الحدید کی آیت نمبر ۲۵ پر ہماری گفتگو جاری تھی: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَیِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ’’ہم نے اپنے رسولوں کو بھیجا‘ بینات (معجزات) کے ساتھ اور ہم نے ان کے ساتھ کتاب بھی نازل

فرمائی اور میزان (شریعت) بھی اتاری (نظامِ حقوق و فرائض کا متوازن نظام اتارا) تا کہ لوگ عدل وانصاف پر قائم ہوں''۔ وہ نظام بالفعل برپا کیا جائے' قائم کیا جائے۔

میں چاہتا ہوں کہ آگے بڑھنے سے پہلے اس آیہ مبارکہ کے اس حصے کا سورۃ الصّف کی آیت ۹ سے ایک تقابلی مطالعہ کر لیا جائے۔

﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ ﴾

سورۃ الصّف کی یہ آیت اس سورت کی مرکزی آیت اور اس کا عمود ہے۔ قرآن مجید میں یہ مضمون تین مرتبہ بالکل انہی الفاظ میں آیا ہے' سوائے اس کے کہ ایک مقام پر صرف آخری حصہ ذرا مختلف ہے۔ ﴿هُوَ الَّذِیْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ لِیُظْهِرَهٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّهٖ﴾ یہ الفاظ قرآن حکیم میں تین دفعہ آئے ہیں۔ سورۃ التوبہ کی آیت ۳۳' سورۃ الفتح کی آیت ۲۸ اور سورۃ الصّف کی آیت ۹ انہی الفاظ پر مشتمل ہے۔ سورۃ التوبہ اور سورۃ الصّف میں آیت کے اختتام پر ﴿وَلَوْ کَرِهَ الْمُشْرِکُوْنَ﴾ کے الفاظ ہیں' جبکہ سورۃ الفتح میں ﴿وَکَفٰی بِاللّٰهِ شَهِیْدًا﴾ کے الفاظ پر آیت ختم ہوتی ہے۔ تقابلی مطالعہ اس اعتبار سے کرنا ہے کہ سوۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں تمام رسولوں کے ساتھ تین چیزوں کا ذکر کیا گیا: ﴿اَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْکِتٰبَ وَالْمِیْزَانَ﴾ اور اس سے پہلے ﴿بِالْبَیِّنٰتِ﴾ جبکہ حضور ﷺ کے بیان میں صرف دو چیزوں کا ذکر ہوا: ﴿الْهُدٰی وَدِیْنِ الْحَقِّ﴾۔ اس لئے کہ حضور ﷺ کا اصل معجزہ قرآن حکیم ہے۔

الہدیٰ سے مراد قرآن ہے۔ یہ هُدًی لِّلنَّاسِ ہے' هُدًی لِّلْمُتَّقِیْنَ ہے' الْهُدٰی (The Guidance) ہے' جس میں ہدایتِ خداوندی مکمل ہو چکی' اپنے اتمام کو پہنچ چکی' درجۂ تکمیل کو پہنچ چکی —— اور حضور ﷺ کا معجزہ بھی یہی ہے۔ حضور ﷺ کا معجزہ یدِ بیضا نہیں ہے' عصائے موسیٰؑ کی شکل میں نہیں ہے' چٹان سے کسی اونٹنی کے برآمد ہو جانے کی صورت میں نہیں ہے' بلکہ حضور ﷺ کا معجزہ قرآن ہے۔ ﴿یٰسٓ ۞ وَالْقُرْاٰنِ الْحَکِیْمِ ۞ اِنَّکَ لَمِنَ الْمُرْسَلِیْنَ ۞﴾ ''قرآن حکیم کی قسم ہے (یہ حکمت بھرا قرآن

گواہ ہے اس پر کہ) آپؐ یقیناً اللہ کے رسول ہیں''۔ ﴿قٓ وَالْقُرْاٰنِ الْمَجِیْدِ ۞﴾ ''قرآن مجید کی قسم ہے۔'' یہ باعظمت قرآن گواہ ہے آپؐ کی رسالت پر۔ ﴿صٓ وَالْقُرْاٰنِ ذِی الذِّکْرِ ۞﴾ ''قسم ہے نصیحت بھرے قرآن کی''۔ یہ قرآن جو ذکر والا ہے' نصیحت والا ہے' یہی آپؐ کی رسالت کا ثبوت ہے۔ تو یہ جان لیجیے کہ قرآن حکیم صرف کتاب نہیں ہے' بلکہ یہ معجزہ + کتاب = الہدیٰ ہے۔ اور وہ جو میزانِ شریعت چلی آ رہی تھی وہ اپنی تکمیل کو پہنچ گئی ہے دینِ حق کی شکل میں۔

میری کتاب ''نبی اکرم ﷺ کا مقصدِ بعثت'' تین مقالات پر مشتمل ہے' درمیانی مقالہ کا موضوع یہی ہے کہ حضور ﷺ کا مقصدِ بعثت کیا ہے؟ اور اس میں تفصیل بیان کی گئی ہے کہ جیسے انسانی ذہن ارتقائی منازل طے کرتا ہے اسی طرح نوعِ انسانی کا فکر اور ذہن بھی بحیثیتِ مجموعی ان ارتقائی مراحل سے گزرا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جب انسان اپنے ذہنی ارتقاء کے اعتبار سے بلوغ کو پہنچ گیا تو محمد رسول اللہ ﷺ پر ''الہدیٰ'' کا اتمام ہو گیا۔ اسی طریقے سے تمدنِ انسانی کا بھی ارتقاء ہوا ہے۔ کبھی انسان غاروں میں رہتا تھا' کوئی اجتماعی نظام تھا ہی نہیں۔ پھر کوئی قبائلی نظام قائم ہوا' پھر کوئی ریاستی نظام قائم ہوا' پھر بڑی بڑی مملکتیں قائم ہو گئیں۔ اور اب آ کر پورا نظامِ زندگی جس طور سے اجتماعیت کی گرفت میں آ چکا ہے' تو اگر وہ نظام صحیح ہو تو تمام افراد کا معاملہ بھی بہتر ہو جائے گا' اور نظام ہی غلط ہو تو ظاہر بات ہے کہ معاشرہ تلپٹ ہو کر رہ جائے گا۔ تو جب وہ تمدن اس سطح کو پہنچ گیا کہ روم اور فارس جیسی بڑی بڑی عظیم مملکتیں (Empires) قائم ہو گئیں تو اس وقت حضور ﷺ کو عدل و قسط پر مبنی ایک کامل نظامِ اجتماعی (Politico-Socio-Economic system) دے کر بھیجا گیا' جسے آپ ﷺ نے جزیرہ نمائے عرب میں بالفعل قائم کر کے دکھایا اور اسے پوری دنیا میں قائم کرنے کی ذمہ داری اُمت کے سپرد فرمائی۔ اور ظاہر بات ہے کہ جب تک اسے قائم کر کے نہ دکھا دیا جائے' یہ نظام دنیا پر حجت نہیں بن سکتا۔

شہادت علی الناس پر ان دروس میں بھی گفتگو ہوئی ہے کہ شہادت زبان سے بھی

دی جاتی ہے' دل سے بھی اور عمل سے بھی۔

وہی ذاتِ واحد عبادت کے لائق
زباں اور دل کی شہادت کے لائق!

ہم گواہی دیتے ہیں: **نَشْهَدُ اَنْ لَّآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَنَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ**۔ ہمیں یہ گواہی اپنے عمل سے بھی دینی چاہئے کہ واقعتہً ہم اللہ کو اپنا الٰہ' معبود اور حاکمِ مطلق مانتے ہیں اور محمد ﷺ کو واقعتہً اللہ کا رسول مانتے ہیں۔ پھر یہ گواہی انفرادی طور پر ہی نہیں' اجتماعی طور پر بھی مطلوب ہے' اور یہ گواہی اُس وقت قائم ہوگی جب کہ وہ نظام عملاً قائم کر کے دکھایا جائے۔ ورنہ کہا جائے گا کہ یہ محض خیالی جنت (Eutopia) ہے' باتیں تو بڑی اچھی ہیں' لیکن قابل عمل نہیں ہیں' انہونی سی باتیں ہیں۔ "**سَيِّدُ الْقَوْمِ خَادِمُهُمْ**" کہنا تو بڑا آسان ہے' لیکن کیا واقعتہً کہیں ایسا ہو سکتا ہے؟ جی ہاں! اس کا عملی نقشہ اگر دیکھنا ہو تو ابوبکر اور عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما کو دیکھ لیجئے۔ ایسا نہیں ہے کہ بس کوئی شاعری کی گئی ہو' معاذ اللہ —— بلکہ وہ نظام عملاً قائم کر کے دکھایا جس میں ہر نوع سے توازن ہے۔ عورتوں کو حقوق دیئے گئے ہیں' لیکن وہ حقوق اس طرح کے نہیں ہیں کہ خاندانی نظام درہم برہم ہو جائے۔ عوام کو حقوق دیئے ہیں' وہ خلیفۃ المسلمین کو دورانِ خطبہ ٹوک کر پوچھ سکتے ہیں کہ یہ کُرتا آپ نے کہاں سے بنایا ہے؟ لیکن وہ آزادی اس طرح کی بھی نہیں ہے کہ وہ نظام ہی بالکل درہم برہم ہو کر رہ جائے۔ اسی طرح جو صاحبِ مال ہے اس کے اپنے حقوق ہیں' لیکن مزدور کا اپنا حق ہے۔ صاحبِ مال کو اس کی اجازت نہیں دی جائے گی کہ سود کی بنیاد پر اپنے مال میں اضافہ کرنے لگے اور ارتکازِ زر کا مرتکب ہو۔ اسلام کے نزدیک یہ سب سے بڑی حرام شے ہے۔ یہ نظام ہے جو دینِ حق کی شکل میں محمد عربی ﷺ کو دیا گیا۔

ہم تقابل کر رہے تھے کہ جہاں عمومی قانون بیان ہوا' وہاں تین چیزیں مذکور ہوئیں: ﴿**لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ**﴾ لیکن محمد رسول اللہ ﷺ کا معاملہ خصوصی ہے۔ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿**هُوَ الَّذِيْ اَرْسَلَ رَسُوْلَهٗ بِالْهُدٰى وَدِيْنِ الْحَقِّ**﴾ اس لئے کہ الہدیٰ قرآن ہے' قرآن ہی معجزہ بھی ہے

اور قرآن ہی الکتاب بھی ہے۔ اور وہ نظامِ عدلِ اجتماعی دینِ حق کی شکل میں کامل نظام کی حیثیت سے پیش کر دیا گیا۔ تو کس لئے بھیجا حضور کو؟ ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ﴾ ''تاکہ اس کو کل جنسِ دین پر غالب کر دے''۔ اس نظامِ عدلِ اجتماعی کو غالب کر کے دکھائے۔ یہ نظام کسی اور نظام کے تابع رہے گا تو پھر ظاہر کیسے ہوگا؟ اگر یہ ملوکیت کے تابع ہو گیا' سرمایہ داری کے تابع ہو گیا یا کسی اور نظام کے تابع ہو گیا تو پھر وہ نظام نہیں' مذہب بن جائے گا' جو عقائد' مراسم عبودیت اور سماجی رسومات کا مجموعہ ہوگا۔ جیسا کہ خلافت راشدہ کے بعد تدریجاً جب خلافت کا نظام ختم ہوا اور ملوکیت آئی' جاگیرداری آئی' سرمایہ داری آئی' تو دین سکڑ کر مذہب کی صورت اختیار کر گیا۔ اب یہ صرف عقائد اور نماز' روزہ' حج اور زکوٰۃ تک محدود ہو گیا۔ اس کے علاوہ کچھ ذکر اور مراقبوں کے حلقے اس میں راہ پا گئے۔ باقی رہا نظام' وہ تو بادشاہوں کا تھا۔ محلات ان کے بننے لگے۔ بادشاہ کی محبوب بیوی کا انتقال ہوا تو کروڑوں روپے سے تاج محل بن گیا۔ بادشاہ کو محل چاہئے' الحمرا بن گیا۔ بادشاہ کے لئے تو بڑا شاندار توپ کاپی جیسا محل ہونا چاہئے۔ استنبول میں جا کر دیکھئے کتنا عظیم الشان محل بنایا ہے۔ کہاں عمر فاروق ؓ تھے جو حجرے میں رہتے تھے' لیکن ان کے نام سے قیصر و کسریٰ کے ایوانوں کے اندر لرزہ طاری ہوتا تھا' کہاں یہ عالم کہ عیاشیاں ہیں' ایوان سجا رکھے ہیں' لیکن دنیا کے اندر ان کی کوئی حیثیت ہی نہیں۔ تو بہرحال اس چیز کو سمجھئے کہ محمد رسول اللہ ﷺ کا مقصد بعثت یہ ہے: ﴿لِيُظْهِرَهُ عَلَى الدِّيْنِ كُلِّهِ﴾ تاکہ وہ اس دین کو غالب کریں' قائم کریں' نافذ کریں اور پورے نظامِ زندگی پر اسلام چھا جائے' اسلام غالب آ جائے' اسلام قائم ہو جائے۔ زندگی کا کوئی جزو' کوئی پہلو اس سے خارج اور آزاد نہ رہ جائے۔ وہی بات یہاں کہی گئی: ﴿لَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنٰتِ وَاَنْزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتٰبَ وَالْمِيْزَانَ لِيَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾

انزالِ حدید کی غرض و غایت

اب یہ مقصد پورا کیسے ہوگا؟ فرمایا: ﴿وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ﴾ ''اور ہم نے لوہا بھی

اتارا ہے' ﴿ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ﴾ ''جس میں شدید جنگ کی صلاحیت ہے''۔ ''باس'' کا ترجمہ بعض حضرات صرف قوت کر دیتے ہیں کہ ''اس میں بڑی طاقت ہے'' لیکن اس کا حقیقی ترجمہ ''اسلحہ کی قوت'' ہے۔ اسی لوہے سے تلوار' نیزہ' ڈھال اور دیگر سامانِ جنگ تیار ہوتا ہے' ''بأساء'' جب جمع کی شکل میں آتا ہے تو اس سے مراد فقر و فاقہ' بھوک اور تنگی ہوتا ہے لیکن جب ''الباس'' آتا ہے تو یہ جنگ ہی کے معنی میں آتا ہے۔ ہمارے منتخب نصاب کے درس دوم (آیۃ البر) میں یہ دونوں ہی الفاظ آئے ہیں — فرمایا:

﴿وَالصّٰبِرِيْنَ فِي الْبَاْسَآءِ وَالضَّرَّآءِ وَحِيْنَ الْبَاْسِ ۭ﴾ (البقرۃ:۱۷۷)

''اور صبر کرنے والے تنگی و مصیبت کے وقت میں اور (حق و باطل کی) جنگ میں۔''

چنانچہ ''اَلْبَاْسَاءِ'' سے تنگی' فاقہ' بھوک' زخم وغیرہ کی تکلیف یا کوئی مصیبت وغیرہ مراد ہے' جبکہ ''الباس'' جنگ ہے۔ انسان کا اصل امتحان تو ''حِيْنَ الْبَاْسِ'' یعنی جنگ کے وقت ہی ہوتا ہے جہاں جان کے لالے پڑ جائیں' جہاں جان کی بازی کھیلنی پڑے۔ جو وہاں پر صبر کا مظاہرہ کر سکیں وہ ہیں کہ جن کے بارے میں فرمایا گیا: ﴿اُولٰۗىِٕكَ الَّذِيْنَ صَدَقُوْا ۭ وَاُولٰۗىِٕكَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ﴾ ''یہ ہیں وہ لوگ جو واقعۃً (اپنے دعوائے ایمان میں) سچے ہیں اور یہی ہیں وہ لوگ جو واقعۃً متقی ہیں۔'' یہ بات ذہن میں رکھتے ہوئے ان الفاظ کا مطالعہ کیجئے: ﴿ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ ﴾ ''اس میں شدید جنگ کی صلاحیت ہے''۔ ﴿ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ ''اور لوگوں کے لئے دوسری منفعتیں بھی ہیں''۔ آج کل تو اس اعتبار سے ہمارے نزدیک لوہے کی اہمیت کم ہو گئی ہے' ورنہ توا' پرات' چمٹا' پھونکنی سب لوہے سے ہی بنتی تھیں۔ اب ہمارے زیر استعمال اشیاء میں لوہا اس طرح سے نمایاں نظر نہیں آتا' لیکن بہرحال اس میں لوگوں کے لئے اور بھی بہت سے فائدے ہیں۔

آگے فرمایا: ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ﴾ ''اور تاکہ اللہ یہ ظاہر کر دے''۔ ''لِيَعْلَمَ'' کا لفظی ترجمہ ہے ''تاکہ اللہ یہ جان لے'' لیکن ہم اس کا ترجمہ کرتے ہیں ''تاکہ اللہ دکھا دے''

ظاہر کر دے''۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کا علم تو قدیم ہے' اللہ کو معلوم ہے کون کتنے پانی میں ہے' لیکن اللہ لوگوں کو دکھا دینا چاہتا ہے اور یہ ظاہر کر دینا چاہتا ہے۔ ﴿مَنْ یَّنْصُرُہٗ وَرُسُلَہٗ بِالْغَیْبِ﴾ ''کون ہے وہ جو غیب کے باوجود اللہ کی اور اُس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے''۔ دین اللہ کا ہے جس کے قیام کی جدوجہد کرنا ہے۔ حاکمیت اللہ کے لئے ہے۔ اس سورۂ مبارکہ کے پہلے حصے میں ہم دو مرتبہ یہ الفاظ پڑھ چکے ہیں: ﴿لَہٗ مُلْکُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ﴾ ''اسی کی بادشاہت ہے آسمانوں میں بھی اور زمین میں بھی''۔ پھر ہم یہ بھی پڑھ چکے ہیں: ﴿وَھُوَ الْعَزِیْزُ الْحَکِیْمُ﴾ ''وہی غالب حکمت والا ہے''۔ وہ العزیز بھی ہے' الحکیم بھی ہے۔ بادشاہ حقیقی وہ ہے' حکم اس کا چلنا چاہئے۔ لہٰذا جو لوگ اس لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ کے حکم کو نافذ کرتے ہیں وہ اللہ کے مددگار ہیں۔ اور اللہ کے اس دین کو عملاً قائم کرنا فرضِ منصبی ہے محمد رسول اللہ ﷺ کا اور تمام رسولوں کا' تاکہ دنیا میں عدل قائم کریں۔ اس کے لئے یہاں الفاظ آئے: ﴿لِیَقُوْمَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ﴾ ''تاکہ لوگ انصاف پر قائم ہوں''۔ سورۃ الشوریٰ میں واحد کے صیغے میں محمد رسول اللہ ﷺ کے لئے فرمایا گیا: ﴿وَاُمِرْتُ لِاَعْدِلَ بَیْنَکُمْ﴾ ''اور مجھے حکم دیا گیا ہے کہ تمہارے مابین عدل کروں''۔ اور سورۃ التوبۃ' سورۃ الفتح اور سورۃ الصّف میں تین مرتبہ یہ الفاظ آ گئے: ﴿لِیُظْھِرَہٗ عَلَی الدِّیْنِ کُلِّہٖ﴾ تو گویا کہ جو بھی لوہے کی طاقت لے کر محمد رسول اللہ ﷺ کی نصرت کے لئے میدان میں آ گئے وہ ہیں اللہ کے بھی مددگار اور رسولؐ کے بھی مددگار۔

محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقِ انقلاب

یہ وہ حقیقت ہے جس کے بارے میں میں نے کہا تھا کہ اسے قرآن نے عریاں انداز میں بیان کیا ہے۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ کو حق بات کہنے میں کوئی جھجک نہیں' کوئی رکاوٹ نہیں۔ از روئے الفاظ قرآنی: ﴿وَاللّٰہُ لَا یَسْتَحْیٖ مِنَ الْحَقِّ﴾ (الاحزاب:۵۳) ''اور اللہ حق بات کہنے میں نہیں شرماتا''۔ عام آدمی سمجھے گا یہ بات کہنے کی نہیں ہے' اگر ہے بھی تو دل میں رکھو' اس کو زبان پر نہ لاؤ۔ لیکن یہاں اچھی طرح

بات سمجھا دی گئی ہے کہ دنیا میں نظامِ عدل اجتماعی کو قائم کرنے کا طریقِ کار کیا ہے؟ اس کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ آپ ؐ کو جو الہدیٰ دی گئی ہے' جو کتاب ہدایت بھی ہے اور معجزہ بھی' اس کے ذریعے سے لوگوں کو دعوت دیجئے۔ اسی ہدایت کی لوگوں میں تبلیغ کیجئے۔ اس پیغام ربانی کو عام کیجئے' لوگوں کو ذہناً اور قلباً اس پر مطمئن کیجئے' اس کے مضمرات کو کھول کر بیان کیجئے۔ ﴿وَاَنْزَلْنَآ اِلَیْكَ الذِّکْرَ لِتُبَیِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ اِلَیْھِمْ وَلَعَلَّھُمْ یَتَفَکَّرُوْنَ۝﴾ (النحل:٤٤) ''(اے محمدؐ) ہم نے آپ پر یہ ذکر نازل فرمایا تاکہ آپ لوگوں کے لئے اس تعلیم کی تشریح اور وضاحت کریں جو ان کے لئے نازل کی گئی ہے''۔ یہ سارے کام کیجئے۔ جیسا کہ سورۃ الجمعہ میں ہم نبی اکرم ﷺ کے اساسی منہج عمل کے عناصر چہارگانہ پڑھ چکے ہیں: ﴿یَتْلُوْا عَلَیْھِمْ اٰیٰتِہٖ وَیُزَکِّیْھِمْ وَیُعَلِّمُھُمُ الْکِتٰبَ وَالْحِکْمَۃَ﴾ ـــــ یعنی لوگوں کو اللہ کی آیات سنانا' ان کا تزکیہ کرنا اور انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دینا۔

ہمیں پانچویں جماعت میں سب سے پہلا سائنسی تجربہ غالباً یہ کرایا جاتا تھا کہ لوہ چون اور لکڑی کے برادے کو علیحدہ کیسے کیا جائے گا۔ ہاتھ میں مقناطیس لے کر اس مکسچر پر پھیریئے تو لوہ چون اس کے ساتھ چمٹتا چلا جائے گا اور برادہ باقی رہ جائے گا۔ بالکل یہی معاملہ اس ''الہدیٰ'' کا ہے۔ یہ ہدایت کی طرف کھینچنے والا مقناطیس ہے۔ اور یہ اسی کو اپنی طرف کھینچے گا جس کی اپنی فطرت کے اندر کسی نہ کسی درجے میں ہدایت موجود ہے۔ اگر وہ موجود نہیں تو جیسے برادہ میگنٹ کے ساتھ نہیں چمٹتا اسی طرح اس الہدیٰ کے ساتھ وہ ابوجہل نہیں چمٹے گا جن کی فطرت مسخ ہو چکی۔ ابولہب نہیں چمٹے گا چاہے وہ حقیقی چچا ہے اور محمد رسول اللہ ﷺ کا ایک دیوار بیچ کا پڑوسی ہے۔ اس کا حال تو یہ تھا کہ اگر حضورؐ کے گھر میں ہنڈیا پک رہی ہے تو اس کے اندر بھی اس کے گھر سے غلاظت پھینکی جا رہی ہے' اور یہ سگا چچا کر رہا تھا جو باپ کی جگہ پر ہوتا ہے' لیکن عناد' دشمنی' شقاق اور حسد کے جذبات کے زیرِ اثر وہ اندھا بہرا ہو چکا تھا۔ اس حوالے سے جان لیجئے کہ جس کے اندر صلاحیت ہے وہی اس مقناطیس کے ذریعے کھنچے گا۔ جو شے حرارت کے لئے اچھے

موصل (کنڈکٹر) کا درجہ رکھتی ہے' اسی میں حرارت سرایت کرے گی۔ اسی طرح جو بجلی کے لئے اچھا موصل ہے' اسی میں سے الیکٹرک کرنٹ گزر سکے گا۔ لیکن بہرحال آپ اس میگنٹ کو پھیلائیں۔ جتنا بڑا معاشرہ ہے اسی پیمانے پر پھیلائیں گے' تب ہی اس میں جو بھی سلیم الفطرت لوگ ہیں وہ چمٹ کر آئیں گے۔ اگر آپ صرف اپنی کٹھیا میں گڑ پھوڑتے رہیں گے' تو آس پاس کے لوگوں کو کیا پتا چلے گا؟ لہٰذا آپ اپنے میدانِ کار کی وسعت کے مطابق اس قرآن کی دعوت کو پھیلایئے' عام کیجئے۔

پھر یہ کہ یہ دعوتِ قرآنی وقت کی ذہنی سطح کے مطابق ہو۔ یہ نہ ہو کہ آپ صرف وعظ کہہ رہے ہوں اور آپ کے معاشرے کا جو ذہین عنصر ہے وہ اس کی طرف توجہ ہی نہ دے۔ آپ جو دعوت دے رہے ہیں اس کے لئے دلائل اور براہین ہونے چاہئیں۔ ازروئے الفاظ قرآنی: ﴿اُدْعُ اِلٰی سَبِیْلِ رَبِّکَ بِالْحِکْمَۃِ وَالْمَوْعِظَۃِ الْحَسَنَۃِ وَجَادِلْھُمْ بِالَّتِیْ ھِیَ اَحْسَنُ﴾ (النحل:١٢٥) ''اپنے رب کے راستے کی طرف دعوت دو حکمت اور عمدہ نصیحت کے ساتھ' اور لوگوں سے مباحثہ کرو ایسے طریقے پر جو بہترین ہو''۔ قرآن معجزہ بھی ہے' قرآن برہان بھی ہے' قرآن میں حکمت بھی ہے' ﴿ذٰلِکَ مِمَّآ اَوْحٰٓی اِلَیْکَ رَبُّکَ مِنَ الْحِکْمَۃِ﴾ (بنی اسرائیل:٣٩) ''یہ ہیں وہ حکمت کی باتیں جو تیرے رب نے تجھ پر وحی کی ہیں''۔ آپ اپنے معاشرے کے ذہین عناصر کو متاثر کیجئے' تعلیم یافتہ طبقے میں اسے عام کیجئے۔ قرآن کے وعظ و نصیحت کے ذریعے سے عوام الناس کو کھینچئے۔

بہرحال جن کے اندر بھی خیر اور بھلائی ہے' صلاحیت ہے' وہ کھنچے چلے آئیں گے۔ لیکن جن کے اندر صلاحیت نہیں ہے' وہ نہیں آئیں گے۔ اور جن کے پیش نظر مفادات ہیں وہ بات کو حق سمجھ کر بھی نہیں آئیں گے' جیسے کہ میں پہلے مثال دے چکا ہوں کہ یہود کے علماء سے بڑھ کر کون تھا جو حضورﷺ کو پہچان سکتا تھا؟ قرآن ان کے بارے میں کہتا ہے: ﴿یَعْرِفُوْنَہٗ کَمَا یَعْرِفُوْنَ اَبْنَآءَ ھُمْ﴾ (البقرۃ:١٤٦) ''وہ انہیں اس طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنی اولاد کو پہچانتے ہیں''۔ لیکن انہوں نے آپؐ کو مانا

کیوں نہیں؟ اس لئے کہ ان کی چودھراہٹیں تھیں' ان کی مسندیں تھیں' ان کی حیثیتیں تھیں' لوگ ان کے ہاتھ چومتے تھے۔ لوگ آ آ کر ان سے فتویٰ مانگتے تھے' ان سے مسئلے پوچھتے تھے۔ وہ کتابِ الٰہی کے عالم تھے۔ لہٰذا اب اگر وہ حضور ﷺ کو مان لیتے' تو ان کی حیثیت ختم ہوتی تھی۔ چنانچہ نہیں مانا۔ اس حوالے سے جان لیجئے کہ مراعات یافتہ طبقے کا ایک بڑا حصہ' جس کے موجودہ نظامِ باطل کے ساتھ مفادات وابستہ ہیں' اس دعوت پر کان نہیں دھرے گا ——— بلکہ ان کی تو کوشش یہ ہو گی کہ انقلابِ اسلامی کا راستہ روکو! نظامِ کہنہ کے پاسبانو' یہ معرضِ انقلاب میں ہے!! ان کی تو آپس میں جتھہ بندیاں بنیں گی کہ آؤ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے کھڑے ہو جاؤ۔

چنانچہ اب ایک ہی راستہ ہے کہ جو سلیم الفطرت لوگ آ گئے ہیں' ان کو جمع کیا جائے اور ان کا تزکیہ کیا جائے۔ ان کی نیتیں بھی خالص ہو جائیں' کوئی کھوٹ نہ رہے۔ ان کی شخصیتیں نکھر جائیں۔ لوگوں کو ان کے کردار کے بارے میں کوئی شک و شبہ نہ رہے۔ یہ آزمائشوں میں سے گزریں' امتحانوں میں سے نکلیں' اور کندن بن جائیں۔ پھر ان کو منظم کرو' آرگنائز کرو اور ان کو بٹ کر کوڑا بناؤ۔ جیسے مختلف دھاگوں اور رسیوں کو بٹ دیں تو کوڑا بنتا ہے۔ علیحدہ علیحدہ دھاگا کمزور ہوتا ہے' اسے جو چاہے توڑ سکتا ہے۔ لیکن دھاگوں کو بٹ کر رسیاں اور رسیوں کو باہم بٹ کر جو کوڑا بنایا جاتا ہے' یہ بہت مضبوط ہوتا ہے۔ چنانچہ آپ نے یہ جو کوڑا بنایا ہے' اب یہ کوڑا باطل کے سر پر دے مارو۔ یہ ہے اصل میں فلسفہ انقلاب۔ اس کے لئے ظاہر بات ہے ٹکرانا پڑے گا۔ اور ٹکرانے کے لئے جب میدان میں آؤ گے تو یَقْتُلُوْنَ کے ساتھ یُقْتَلُوْنَ بھی ہو گا۔ جہاں قتل کرو گے وہاں خود بھی قتل ہو گے۔ تمہیں کوئی گارنٹی نہیں دی جا سکتی کہ تم قتل نہیں ہو گے۔ یہ گارنٹی تو صحابہ کرام ؓ کو بھی نہیں دی گئی۔ حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کو کوئی لوہے کا جسم نہیں دیا گیا تھا کہ برچھا اس کے پار نہیں ہو گا۔ چنانچہ وحشی کی برچھی حضرت حمزہ ؓ کو ناف کے قریب لگی اور جسم کے آر پار ہو گئی۔ جب صحابہ کرام ؓ کو ایسی کوئی ضمانت نہیں دی گئی تھی تو پھر اور کون ہو گا جسے کوئی ضمانت حاصل ہو یا اللہ کی طرف

سے انشورنس ہو؟ نہیں۔ بلکہ اللہ تعالیٰ نے تو دوٹوک الفاظ میں ارشاد فرما دیا:

﴿اِنَّ اللّٰہَ اشْتَرٰی مِنَ الْمُؤْمِنِیْنَ اَنْفُسَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ بِاَنَّ لَھُمُ الْجَنَّۃَ ط یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ ط﴾ (التوبۃ: ۱۱۱)

''حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے تو اہل ایمان سے ان کے مال اور ان کی جانیں جنت کے عوض خرید لی ہیں۔ وہ اللہ کی راہ میں جنگ کرتے ہیں تو قتل کرتے بھی ہیں اور قتل ہوتے بھی ہیں۔''

غزوۂ بدر میں ستر قریشی مارے گئے اور صحابہ ﷺ میں سے صرف تیرہ شہید ہوئے۔ ان کے علاوہ ایک زخمی تھے جو مدینہ واپسی پر راستے میں شہید ہو گئے۔ لیکن غزوۂ احد میں مسلمانوں کی ایک غلطی کی وجہ سے پانسہ بالکل پلٹ گیا اور ستر مسلمان شہید ہو گئے۔ تو ''یَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ'' کا معاملہ تو کرنا پڑے گا' انقلاب اس کے بغیر نہیں آتا۔ انقلاب کے لئے جان بھی دینی پڑے گی اور اس کے لئے طاقت کا استعمال بھی کرنا ہوگا۔

دین کے بعض حقائق کو علامہ اقبال نے بڑی خوبصورتی سے اشعار کے قالب میں ڈھال دیا ہے۔ ان کے یہ دو شعر ملاحظہ کیجئے:

(۱) گفتند جہانِ ما آیا بتو می سازد؟
گفتم کہ نمی سازد گفتند کہ برہم زن!

''اللہ تعالیٰ نے مجھ سے کہا کہ یہ جو میری دنیا ہے کیا یہ تمہارے لئے سازگار ہے؟ (یعنی کیا اس کا موجودہ نظام تمہیں پسند ہے؟ تم اس پر مطمئن ہو؟) میں نے عرض کیا کہ نہیں' یہ میرے لئے سازگار نہیں ہے۔ اس پر اللہ نے فرمایا کہ پھر اسے توڑ پھوڑ کر رکھ دو!''

اور اس ''برہم زن!'' کا طریقِ کار کیا ہے؟ اسے اقبال نے اگلے شعر میں واضح کر دیا ہے

(۲) با نشۂ درویشی در ساز و دمادم زن
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنتِ جم زن!

پہلا مرحلہ درویشی یعنی دعوت و تبلیغ کا ہوگا۔ گالیاں کھا کر بھی دعائیں دینی ہوں گی۔ پتھراؤ کے جواب میں بھی پھول پیش کرنے ہوں گے۔ جو لوگ خون کے پیاسے ہیں

انہیں معاف کرنا ہوگا۔ جیسے کہ اہل طائف کی طرف سے شدید ترین اذیت رسانی کے بعد بھی نبی رحمت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ الفاظ نکلے: **اَللّٰھُمَّ اھْدِ قَوْمِیْ فَاِنَّھُمْ لَا یَعْلَمُوْنَ** ''اے اللہ! میری قوم کو ہدایت دے۔ اس لئے کہ یہ جانتے نہیں ہیں''۔ دعوت کے مرحلے میں تو گویا بدھ مت کے بھکشوؤں والی روش اختیار کرنی پڑے گی۔ دعوت کے اندر تو التجا بھی ہوتی ہے' لجاجت بھی ہوتی ہے کہ اللہ کے بندو میری بات سنو! در در پر جا رہے ہیں۔ کسی نے کچھ کہہ دیا' کسی نے کچھ کہہ دیا۔

رسول اللہ ﷺ طائف میں وہاں کے تینوں سرداروں سے ملے ہیں۔ ایک نے کہا: اچھا جی آپ کے سوا کوئی نہیں ملا تھا اللہ کو رسول بنانے کے لئے؟ نکل جاؤ یہاں سے! ایک نے کہا: جاؤ چلے جاؤ' میں تم سے بات بھی نہیں کرنا چاہتا۔ ایک نے کہا: یا تو تم جھوٹے ہو یا سچے ہو' اگر جھوٹے ہو تو جھوٹے کو میں منہ نہیں لگاتا اور اگر سچے ہو تو میں کہیں گستاخی کر بیٹھوں گا۔ لہٰذا بہتر ہے تم روانہ ہی ہو جاؤ۔ ایسے ایسے زہر میں بجھے ہوئے جملے محمد رسول اللہ ﷺ کو سننے پڑے۔ اور پھر جب وہاں سے واپس روانہ ہوئے تو انہوں نے وہاں کے اوباش لڑکوں کو آپ کے پیچھے لگا دیا' جنہوں نے محبوبِ ربُّ العالمین ﷺ پر پتھراؤ شروع کر دیا۔ تاک تاک کر ٹخنے کی ہڈی کو نشانہ بنایا جا رہا ہے۔ اور اُس وقت صرف ایک ساتھی زید بن حارثہ رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے ہمراہ تھے۔ ایک آدمی ایک طرف سے ہی ڈھال بن سکتا ہے۔ حضرت زید رضی اللہ عنہ حضور ﷺ کو بچانے کے لئے' آپؐ کو cover کرنے کے لئے ایک طرف آتے تو اوباش دوسری اطراف سے پتھر مارتے۔ جسم اطہر لہولہان ہو رہا ہے۔ پاؤں میں آ کر خون جوتوں میں جم گیا ہے۔ پھر کچھ غشی سی طاری ہو گئی تو آپؐ بیٹھ گئے ہیں۔ اس پر ایک غنڈے نے ایک بغل میں ہاتھ ڈالا' دوسرے نے دوسری بغل میں' اور حضور ﷺ سے کہا کہ اٹھو' چلو! دعوت کے مرحلے میں۔ یہ نقشہ ہے اللہ کے رسول ﷺ کا ــــ محبوبِ ربُّ العالمین ﷺ کا ــــ سیّد الاوّلین والآخرین ﷺ کا ــــ

رسول اللہ ﷺ پر ذاتی اعتبار سے ابتلاء اور امتحان کا یہ نقطۂ عروج

(Climax) ہے۔ شہر سے باہر آ کر آپ ﷺ ایک پتھر سے ٹیک لگا کر تشریف رکھتے ہیں اور اس موقع پر وہ دعا آپؐ کی زبانِ مبارک سے نکلتی ہے کہ جس کو پڑھتے' سنتے اور سناتے وقت کلیجہ شق ہوتا ہے:

اَللّٰھُمَّ اِلَیْکَ اَشْکُوْا ضُعْفَ قُوَّتِیْ وَقِلَّۃَ حِیْلَتِیْ وَھَوَانِیْ عَلَی النَّاسِ

''اے اللہ! کہاں جاؤں' کہاں فریاد کروں' تیری ہی جناب میں فریاد لے کر آیا ہوں' اپنی قوت کی کمی اور اپنے وسائل و ذرائع کی کمی کی ـــــ اور لوگوں میں جو رسوائی ہو رہی ہے' اس کی''۔

اِلٰی مَنْ تَکِلُنِیْ؟ اِلٰی بَعِیْدٍ یَجْھَمُنِیْ اَوْ اِلٰی عَدُوٍّ مَلَّکْتَ اَمْرِیْ؟

''اے اللہ! تو مجھے کس کے حوالے کر رہا ہے؟ کیا تو نے میرا معاملہ دشمنوں کے حوالے کر دیا ہے کہ وہ جو چاہیں میرے ساتھ کر گزریں؟''

اِنْ لَمْ یَکُنْ عَلَیَّ غَضَبُکَ فَلَا اُبَالِیْ!

''پروردگار! اگر تیری رضا یہی ہے اور اگر تو ناراض نہیں ہے تو پھر میں بھی راضی ہوں' مجھے اس تشدد کی کوئی پروا نہیں ہے۔'' (ع سرِ تسلیم خم ہے جو مزاجِ یار میں آئے!)

اَعُوْذُ بِنُوْرِ وَجْھِکَ الَّذِیْ اَشْرَقَتْ لَہُ الظُّلُمٰتُ

''اے ربّ! میں تیرے روئے انور کی ضیاء کی پناہ میں آتا ہوں جس سے ظلمات منور ہو جاتے ہیں۔''

اُس وقت ملک الجبال حاضر ہوتا ہے کہ اللہ نے مجھے بھیجا ہے' میں پہاڑوں پر مامور فرشتہ ہوں۔ آپؐ اگر حکم دیں تو میں ان دونوں پہاڑوں کو ٹکرا دوں جس کے مابین طائف کی یہ بستی ہے' جس میں آپؐ کے ساتھ یہ سلوک ہوا ہے۔ فرمایا: نہیں' کیا عجب کہ اللہ تعالیٰ ان کی آئندہ نسلوں کو ہدایت دے دے۔

اب بتایئے کون بدھ مت کا بھکشو درویشی میں اس سے آگے جائے گا؟ اور جبکہ اپنے ساتھی نگاہوں کے سامنے ذبح کیے جا رہے ہیں' حضرت سمیہ رضی اللہ عنہا ذبح کی جا رہی ہیں' ان کے شوہر حضرت یاسر ؓ کو ابوجہل نے جس برے طریقے سے سرِعام ٹکڑے کر دیا' اس پر بھی آپؐ نے اہل ایمان کو مشتعل نہیں ہونے دیا۔ تشدد و تعذیب

کے وقت حضور ﷺ ان کے پاس سے گزرتے تو یہ فرماتے: ((اِصْبِرُوْا یَا آلَ یَاسِرَ فَاِنَّ مَوْعِدَکُمُ الْجَنَّۃ)) ''اے یاسر کے گھر والو! صبر کرو' تمہارے وعدے کی جگہ اللہ کے ہاں جنت ہے'' ـــــ لیکن ساتھیوں میں سے کسی کو اجازت نہیں دی کہ ابوجہل کی تکہ بوٹی کر دے۔ اس لئے کہ ابھی مرحلہ درویشی کا ہے ؎

نغمہ ہے بلبلِ شوریدہ ترا خام ابھی
اپنے سینے میں اسے اور ذرا تھام ابھی!

ابھی ذرا اپنے جذباتِ انتقام کو تھامے رکھو! ابھی مرحلہ Passive Resistance کا ہے۔ ایک وقت آئے گا کہ تمہارے ہاتھ کھول دیئے جائیں گے۔ وہ وقت آنے والا ہے کہ تمہیں اذنِ قتال ملے گا' تمہیں اینٹ کا جواب پتھر سے دینے کی اجازت ملے گی۔ لیکن ابھی اپنے ہاتھ باندھے رکھو! پھر وہ وقت آیا کہ اب تلواریں بھی ہیں' نیزے بھی ہیں' میدان میں آئے ہیں ﴿یُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَیَقْتُلُوْنَ وَیُقْتَلُوْنَ﴾ کا نقشہ دنیا کے سامنے پیش کیا ہے۔ اس سارے process کو علامہ اقبال نے دو مصرعوں میں بیان کر دیا ہے ؎

با نشہٗ درویشی در ساز و دما دم زن!
چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!!

پہلا مرحلہ یہ ہوگا کہ درویشی کی روش اختیار کرو' درویشی کی خو پختہ کرتے رہو۔ دعوت و تربیت کے مرحلے میں دعوت دیتے رہو' محنت کرتے رہو' تربیت اور تزکیہ کرتے رہو اور اس دوران تمام تکلیفیں اور مصیبتیں پورے صبر کے ساتھ جھیلو اور برداشت کرو۔ ساتھ ساتھ اپنی تنظیم پر توجہ دو' ساتھیوں کو منظم کرو ـــــ اور جب تعداد کے اعتبار سے اور کیفیت و کمیت دونوں اعتبارات سے تیار ہو جاؤ کہ سیرت بھی پختہ ہو چکی ہو' تربیت بھی ہو چکی ہو' تزکیہ بھی ہو چکا ہو' قول و فعل کا تضاد نہ رہا ہو' انسان کا ظاہر باطن ایک ہو چکا ہو' منظم ہو چکے ہوں' ایک امیر کی دعوت پر کھڑے ہو کر لبیک کہیں اور اپنی جانوں کی قربانی دینے کے لئے تیار ہو جائیں' اور اگر روکنے کا حکم دیا جائے تو رک

جائیں' تو پھر نظامِ باطل سے ٹکرا جائیں ع چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن! جب خود کو پختہ کر لو تو اب اپنے آپ کو سلطنت جم پر دے مارو! یہ ہے دو مصرعوں میں پورا طریقِ انقلاب۔

سورۃ الحدید کی آیت ۲۵ میں یہ پورا طریق انقلاب دو ٹوک انداز میں بیان فرما دیا گیا ہے کہ ہم نے دلیل بھی اتار دی' بیّنہ بھی اتار دی' کتاب بھی نازل کر دی اور میزان بھی اتار دی۔ کتاب کی دعوت سے لوگ آپ کے قریب آ جائیں گے۔ لیکن اب ان کو منظم کر کے ایک طاقت بنانا ہے تاکہ نظام باطل سے ٹکرایا جائے۔ ایسے سرفروش اور ایسے جان فروش تیار کرنے ہیں کہ جو اپنے سر کی اور جان کی بازی کھیلنے کو تیار ہوں۔ جیسے سورۃ الاحزاب میں فرمایا:

﴿مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عٰهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ ۚ فَمِنْهُمْ مَّنْ قَضٰى نَحْبَهٗ وَمِنْهُمْ مَّنْ يَّنْتَظِرُ ﴾

''اہل ایمان میں وہ جوان مرد ہیں کہ جو عہد انہوں نے اللہ سے کیا تھا وہ سچا کر دکھایا۔ پس ان میں سے وہ بھی ہیں جو اپنی نذر پیش کر چکے اور جو باقی ہیں وہ منتظر ہیں کہ کب باری آئے''۔

گویا ؎

وبالِ دوش ہے سرِ جسمِ ناتواں پہ مگر
لگا رکھا ہے ترے خنجر و سناں کے لئے!

تو یہ ہے وہ آیت مبارکہ جس کے بارے میں میں کہا کرتا ہوں کہ دنیا بھر کے انقلابی لٹریچر میں اس سے زیادہ عریاں انقلابی الفاظ کہیں نہیں ملتے! فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِيْدَ فِيْهِ بَاْسٌ شَدِيْدٌ﴾ ''اور ہم نے لوہا اتارا جس میں قوت ہے جنگ کی'' ﴿ وَّمَنَافِعُ لِلنَّاسِ ﴾ ''اور لوگوں کے لئے کچھ اور فائدے بھی ہیں'' ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ ''اور تاکہ اللہ دیکھے کہ کون ہیں وہ (صادق الایمان وفادار بندے) جو غیب میں رہتے ہوئے' اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں؟'' ایمان کا دعویٰ تو آسان ہے' مگر ؎

یہ شہادت گہِ الفت میں قدم رکھنا ہے
لوگ آسان سمجھتے ہیں مسلمان ہونا!

محبوبیتِ الٰہی کا مقام

اس کے ساتھ سورۃ الصّف کی یہ آیت جوڑ لیجئے:﴿اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الَّذِيْنَ يُقَاتِلُوْنَ فِيْ سَبِيْلِهٖ صَفًّا كَاَنَّهُمْ بُنْيَانٌ مَّرْصُوْصٌ﴾ ''اللہ کو تو محبوب ہیں (اپنے وہ بندے) جو اُس کی راہ میں جنگ کرتے ہیں صفیں باندھ کر' گویا کہ وہ سیسہ پلائی ہوئی دیوار ہیں''۔

سورۃ الحدید اس اعتبار سے عجیب سورت ہے کہ اس میں لفظِ جہاد آیا نہ قتال' لیکن دونوں کے مضامین موجود ہیں۔ لفظ ''الحدید'' (لوہا) میں اسلحہ کا ذکر آ گیا۔ یہ اُمّ المسبحات ہے اور کل مسبحات کے سارے مضامین اس میں جمع ہیں۔﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ کے الفاظ میں گویا واضح کر دیا گیا کہ اللہ کو تو محبت ان اہل ایمان سے ہے جو اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں' غیب میں ہونے کے باوجود''۔

محبت مجھے اُن جوانوں سے ہے
ستاروں پہ جو ڈالتے ہیں کمند!

اللہ کو محبوب اپنے وہ بندے ہیں جو لوہے کی طاقت کو ہاتھ میں لے کر اللہ کے دشمنوں کی سرکوبی کے لئے میدان میں آتے ہیں۔ وہ نہیں کہ جو ع ''تو فقط اللہ ہو' اللہ ہو' اللہ ہو!'' کے مصداق اپنے گھروں میں بیٹھے ہوئے ضربیں لگاتے جائیں اور ساری عمر ضربیں لگاتے ہوئے ہی گزار دیں۔ نہ زندگی میں باطل کے ساتھ کبھی پنجہ آزمائی کا موقع آئے نہ کبھی باطل کو للکارنے کا۔

اس طرزِ عمل کے بارے میں میں یہ حدیث بارہا سنا چکا ہوں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اَوْحَى اللّٰهُ عَزَّوَجَلَّ اِلٰى جِبْرَئِيْلَ عَلَيْهِ السَّلَامُ اَنِ اقْلِبْ مَدِيْنَةَ كَذَا وَكَذَا بِاَهْلِهَا۔ ''اللہ تعالیٰ نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کو حکم دیا کہ فلاں فلاں بستیوں کو ان کے رہنے والوں سمیت تلپٹ کر دو''۔ قَالَ: فَقَالَ: يَا رَبِّ اِنَّ فِيْهَا

عَبۡدَكَ فُلَانًا لَمۡ يَعۡصِكَ طَرۡفَةَ عَيۡنٍ حضورﷺ فرماتے ہیں حضرت جبرئیلؑ نے عرض کیا: پروردگار اس بستی میں تیرا فلاں بندہ بھی ہے جس نے آج تک کبھی پلک جھپکنے جتنا وقت بھی تیری معصیت میں بسر نہیں کیا''۔ قَالَ :فَقَالَ :اِقۡلِبۡهَا عَلَيۡهِ وَعَلَيۡهِمۡ ' فَاِنَّ وَجۡهَهٗ لَمۡ يَتَمَعَّرۡ فِيَّ سَاعَةً قَطُّ ''حضورﷺ فرماتے ہیں اس پر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: الٹو اس بستی کو پہلے اس پر' پھر دوسروں پر۔ اس لئے کہ اس کے چہرے کا رنگ میری غیرت کی وجہ سے کبھی متغیر نہیں ہوا''۔ یہ بیٹھا اپنی ذاتی نیکی' ذاتی تقویٰ' ذاتی عبادت گزاری' تہجد گزاری اور مراقبوں میں منہمک رہا اور اس کے اردگرد باطل پروان چڑھتا رہا' پھیلتا رہا' اس کا بول بالا ہوتا رہا۔ شریعت کی دھجیاں بکھرتی رہیں اور یہ لگا رہا اپنے اسی کام میں' تو یہ دوسروں سے زیادہ بڑا مجرم ہے۔ لہٰذا الٹو اس بستی کو پہلے اس پر پھر دوسروں پر۔

دوسری طرف اگر اپنی تربیت اور اپنا تزکیہ کئے بغیر میدان میں آ جاؤ تو وہی کچھ ہو گا جو آج جہاد کے نام پر ہو رہا ہے۔ اس طرح جہاد بدنام بھی ہو گا اور فساد کی شکل اختیار کرے گا۔ کسی اجتماعیت میں نہ دعوت کا مرحلہ آیا' نہ تربیت اور تزکیہ کا' اور نہ ہی قول و فعل میں مطابقت پیدا کی گئی اور نکل کھڑے ہوئے کلاشنکوف لے کر جہاد کرنے کے لئے! چنانچہ اس جہاد کا دنیا میں مذاق اڑ رہا ہے اور جہاد بدنام ہو رہا ہے۔ اس طرح دین کی بنیادی اصطلاحات کو رسوا کیا جا رہا ہے اور اس کے نتیجے میں سوائے فساد کے کچھ حاصل نہیں ہو رہا۔

موجودہ حالات میں مسلح تصادم کا متبادل

محمد رسول اللہ ﷺ کے طریقِ انقلاب پر میری پوری کتاب ''منہج انقلابِ نبویؐ'' موجود ہے اور اس موضوع پر میرے اردو اور انگریزی خطابات کے آڈیو اور ویڈیو کیسٹس بھی موجود ہیں۔ ان خطابات میں مَیں نے پوری تفصیل سے واضح کیا ہے کہ منہج انقلابِ نبوی یعنی محمد رسول اللہ ﷺ کا طریقِ انقلاب کیا ہے' اس کے مختلف مراحل کیا ہیں اور یہ کہ آج کے زمانے میں مسلح تصادم اور قتال کی متبادل کیا صورت ہے۔ آج

کے دَور میں قتال یک طرفہ (one way) بھی ہو سکتا ہے۔ یک طرفہ جنگ یہ ہوگی کہ آپ منکرات کے خلاف مظاہروں اور picketing کے لئے میدان میں نکل کھڑے ہوں اور اعلان کر دیں کہ جب تک ان منکرات کا خاتمہ نہیں ہوتا' ہم ٹیکس اور لگان نہیں دیں گے۔ یہ سودی نظام جو چل رہا ہے یہ حرام ہے' ہم اسے چلنے نہیں دیں گے!! اس پر قانون نافذ کرنے والے ادارے حرکت میں آئیں گے اور آپ پر لاٹھیاں برسیں گی' گولیاں چلیں گی۔ اب اگر یہ مظاہرین ثابت قدم رہیں' جوابی کارروائی نہ کریں اور گولیوں کے سامنے سینہ سپر رہیں تو بالآخر حکومت وقت کو ہار ماننا پڑے گی اور انقلاب آ جائے گا۔ ایران کی مثال آپ کے سامنے موجود ہے کہ ایرانیوں نے تیس چالیس ہزار جانوں کی قربانی دی تو وہاں انقلاب آ گیا۔ کشمیر میں بھی چالیس ہزار جانیں دی جا چکی ہیں' لیکن وہاں ابھی اس کے کوئی آثار نہیں ہیں۔ کہاں ایران جتنا بڑا ملک اور کہاں وہ کشمیر کا چھوٹا سا خطہ! اگرچہ اسے ''ایرانِ صغیر'' کہتے ہیں۔ بقول اقبال ؎

آج وہ کشمیر ہے محکوم و مجبور و فقیر
کل جسے اہلِ نظر کہتے تھے ایرانِ صغیر

کشمیریوں کا جس طرح قتل عام ہو رہا ہے اس اعتبار سے یہ اعداد و شمار غلط نہیں ہو سکتے۔ لیکن چالیس ہزار جانیں جانے کے باوجود نتیجہ کچھ نہیں —— جبکہ ایران میں اتنی تعداد میں جانیں دی گئیں تو بادشاہ کو وہاں سے بھاگنا پڑا۔ اس لئے کہ ایرانیوں کی جنگ یک طرفہ (one way) تھی۔ انہوں نے مارا کسی کو نہیں' خود مرے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ خود بادشاہ کو اپنی فوج کی طرف سے یہ اندیشہ لاحق ہو گیا کہ یہ میرا تختہ اُلٹ دے گی۔ فوج بھی تو آخر عوام میں سے ہوتی ہے۔ یہ انہی کے بھائی بند اور بھانجے بھتیجے ہوتے ہیں۔ چنانچہ عوام کے خلاف ایک حد تک کارروائی کے بعد فوج جواب دے دیا کرتی تھی۔ یہاں پر بھی بھٹو صاحب کو فوج نے جواب دے دیا تھا کہ کب تک ہم لوگوں کو مارتے رہیں گے۔ یہ قابض فوج تو نہیں ہے' نیشنل آرمی ہے۔ کتنوں کو مارے گی اور

کیوں مارے گی؟ میں نے ان کا ٹیلی ویژن انٹرویو دیکھا تھا جس میں انہوں نے کہا تھا کہ میری کرسی بہت مضبوط ہے۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ وہ کرسی تو بڑی کمزور ثابت ہوئی۔ کرسی تو فوج کے بل بوتے پر مضبوط تھی۔ جب فوج نے جواب دے دیا تو کرسی کہاں مضبوط رہی!

سیرتِ طیبہ کے مختلف مراحل میں حکمتِ ترتیب

منہجِ انقلابِ نبویؐ کے ضمن میں پہلے objectively سمجھ لیجئے کہ حضور ﷺ کی سیرت کے کیا مراحل تھے اور ان میں حکمتِ ترتیب کیا تھی۔ پہلے تیرہ برس تک یعنی پوری مکی زندگی میں یہ حکم تھا کہ چاہے تمہارے ٹکڑے اڑا دیئے جائیں، تم ہاتھ نہیں اٹھاؤ گے۔ لیکن ہجرت کے بعد حکم آ گیا کہ ﴿وَقَاتِلُوْا فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ الَّذِیْنَ یُقَاتِلُوْنَكُمْ﴾ (البقرۃ:۱۹۰) ''اور اللہ کی راہ میں ان سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں''۔ اور ﴿وَقَاتِلُوْهُمْ حَتّٰی لَا تَكُوْنَ فِتْنَةٌ وَّیَكُوْنَ الدِّیْنُ كُلُّهٗ لِلّٰهِ﴾ (الانفال:۳۹) ''اور ان (کافروں) سے جنگ کرتے رہو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے اور دین کُل کا کُل اللہ کے لئے ہو جائے''۔ ان دو طرح کے احکام میں بظاہر زمین و آسمان کا فرق ہے، لیکن درحقیقت یہ ایک پراسیس کے دو مختلف مراحل ہیں۔ اسی طرح ایک وقت میں آنحضور ﷺ دب کر صلح کر رہے ہیں۔ صلح حدیبیہ کی شرائط یقیناً بڑی غیر مساوی (unequal) تھیں اور یہ معاہدہ ہونے کے بعد مسلمان بہت رنجیدہ و دل گرفتہ ہو گئے تھے۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول اللہ ﷺ نے انہیں وہیں قربانی کے جانور ذبح کر کے احرام کھولنے کا حکم دیا تو ان میں سے ایک آدمی بھی نہیں اٹھا۔ مسلمانوں کے دل اس درجے زخمی تھے کہ ہم کیوں دب کر صلح کر رہے ہیں ـــــ لیکن ایک سال کے بعد قریش کا سردار ابوسفیان چل کر مدینہ منورہ آتا ہے اور وہ خوشامدیں کر رہا ہے، سفارشیں کروا رہا ہے کہ خدا کے لئے صلح کی تجدید کر لیجئے، لیکن حضور ﷺ نہیں کر رہے، کیوں؟ اس لئے کہ اب محمد رسول اللہ ﷺ کی جدوجہد دعوت کے مرحلے سے نکل کر جہاد و قتال کے مرحلے میں داخل ہو چکی ہے ـــــ اسی کے بارے میں تو ٹائن بی نے کہا تھا :

"Muhammad failed as a prophet but succeeded as a statesman."

اس لئے کہ اس کی آنکھیں صرف ظاہر کو دیکھ رہی تھیں' آنحضور ﷺ کے منہج انقلاب کی حکمتِ ترتیب سے واقف نہیں تھیں' لہٰذا اسے حضور ﷺ کی زندگی میں تضاد نظر آیا اور اس نے اسے واضح کیا۔ ان مستشرقین کو مکہ والے محمد ﷺ تو نبی نظر آتے ہیں' جیسے حضرت یحیٰی علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام تھے۔ انہیں نظر آتا ہے کہ مکے والا محمدؐ یقیناً یحییٰ علیہ السلام اور عیسیٰؑ کی طرح دعوت دے رہا ہے' تبلیغ کر رہا ہے' ماریں کھا رہا ہے' گالیاں سن رہا ہے' لیکن وہی محمد رسول اللہ ﷺ مدینے میں آ کر ایک مدبر ہے' حکمران ہے' جنگجو ہے' سپہ سالار ہے۔ اور ڈاکٹر منٹگمری واٹ نے اسی فلسفے کے زیر اثر آنحضور ﷺ کی حیاتِ طیبہ کے ''تضاد'' کو ظاہر کرنے کے لئے Mohammad at Mecca اور Mohammad at Medina دو کتابیں تصنیف کر ڈالیں۔ ان کی نظر میں مکے والا محمدؐ تو بالکل ہی کچھ اور تھا اور مدینے والا محمدؐ بالکل کچھ اور نظر آتا ہے۔ معاذ اللہ— وہ شخصیت ایک ہی ہے' ان کا انقلاب کا پراسیس ایک ہی ہے' لیکن اس پراسیس کے مختلف مراحل ہیں۔ اس انقلاب کا پہلا مرحلہ مکی دور پر مشتمل ہے' جس کے بارے میں اقبال نے کہا ہے ع

با نشہ درویشی در ساز دما دم زن!

اور دوسرا مرحلہ اسی شعر کے دوسرے مصرعے میں یوں بیان کر دیا ع

چوں پختہ شوی خود را بر سلطنت جم زن!!

ظاہر ہے اس کے بغیر کوئی انقلاب آ ہی نہیں سکتا۔

یہ ہے اصل میں اسلامی انقلاب کا پراسیس جو اس آیت میں بڑے واشگاف الفاظ میں اللہ تعالیٰ نے خود بیان فرما دیا۔ رسولوں کے ساتھ بیّنات' کتاب اور میزان اتارے جانے کا ذکر کرنے کے بعد فرمایا: ﴿ وَاَنْزَلْنَا الْحَدِیْدَ ﴾ ''اور ہم نے لوہا بھی اتارا''۔ پنجابی میں کہا جاتا ہے ''چار کتاباں عرشوں آئیاں' پنجواں آیا ڈنڈا''۔ اس ڈنڈے کی اپنی اہمیت وضرورت ہے۔ کیا قرآن حکیم صرف اس لئے نازل ہوا ہے کہ

اس کی تلاوت کرتے رہے' تراویح میں پڑھتے رہے اور ثواب لیتے رہے؟ جبکہ قرآن خود یہ کہتا ہے کہ

﴿قُلْ يٰٓاَهْلَ الْكِتٰبِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا التَّوْرٰىةَ وَالْاِنْجِيْلَ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْكُمْ مِّنْ رَّبِّكُمْ﴾ (المائدۃ:٦٨)

''اے اہل کتاب! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو (تمہاری کوئی حیثیت ہماری نگاہ میں نہیں ہے) جب تک کہ تم تورات اور انجیل اور جو کچھ تمہارے رب کی طرف سے تم پر نازل ہوا ہے' اس کو قائم نہیں کرتے۔''

قرآن پڑھتے رہو' قرآن سنتے رہو' قرآن یاد کرتے رہو' حسنِ قراءت کے مقابلے منعقد کرو' جشن نزولِ قرآن مناتے رہو —— لیکن اگر تم قرآن کو قائم کرنے کے لئے تیار نہیں ہو تو پھر گویا قرآن تم سے بایں الفاظ مخاطب ہے: يٰٓاَهْلَ الْقُرْاٰنِ لَسْتُمْ عَلٰى شَيْءٍ حَتّٰى تُقِيْمُوا الْقُرْاٰنَ ''اے قرآن والو! تم ہرگز کسی اصل پر نہیں ہو جب تک تم قرآن کو قائم نہیں کرتے''۔ قرآن قائم کرو' یہ میزانِ عدل ہے' اسے نصب کرو۔ اس نے جو نظام دیا' وہ عدل وقسط پر مبنی ہے۔ جس کا جو حق ہے وہ اس کو دو اور جس کی جو ذمہ داری ہے اس کے اوپر عائد کرو۔ اگر یہ نہیں کرتے تو پھر صرف اس کی تلاوت کا جو ثواب لے رہے ہو' اس سے کہیں بڑھ کر اس کوتاہی کا گناہ ہو سکتا ہے جو تم اس کی طرف سے برت رہے ہو۔

''بِالْغَيْبِ'' کا مفہوم

﴿ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ﴾ ''اور تا کہ اللہ یہ ظاہر کر دے کہ کون غیب کے باوجود اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے''۔ ''بِالْغَيْبِ'' کے بارے میں مجھے مولانا اصلاحی صاحب کی یہ بات پسند ہے کہ یہاں ''بِ'' ظرفیہ ہے۔ اصل میں یہ بڑی پیاری اور فلسفیانہ بات ہے کہ اللہ غیب میں نہیں ہے' غیب میں ہم ہیں۔ عربی کا یہ شعر ملاحظہ کیجئے:

اَغِيْبُ وَذُوالـلَّطَـائِفِ لَا يَغِيْبُ
وَاَرْجُوْهُ رَجَاءً لَا يَخِيْبُ

''میں غائب ہو جاتا ہوں' وہ اللہ جو ذوالطائف ہے وہ تو غائب نہیں ہوتا (وہ تو ہر آن ہر جگہ موجود ہے) اور میں اس سے ایسی امید کا طلب گار ہوں جو ناامیدی میں نہیں بدلتی''۔

چنانچہ یہ تو ہماری آنکھوں پر پردے پڑے ہوئے ہیں۔ ہم غیب میں ہیں' وہ غائب میں نہیں ہے۔ علامہ اقبال کا بڑا پیارا شعر ہے۔

کرا جوئی؟ چرا در پیچ و تابی؟
کہ او پیداست تو زیرِ نقابی!

''تم کس کو تلاش کر رہے ہو؟ کس لئے پیچ و تاب کھا رہے ہو؟ وہ تو سامنے بالکل ظاہر ہے' ہاں تم خود محجوب ہو' پردے کی اوٹ میں ہو''۔

غیب کا پردہ تو تم پر پڑا ہوا ہے۔ تو بالغیب کا مفہوم ہوگا ''غیب میں ہوتے ہوئے''۔ ہم اللہ کو دیکھ نہیں رہے' پھر بھی جو شخص اللہ کے لئے تن من دھن وقف کر دے اس کے لئے اللہ کی طرف سے بڑی شاباش ہے۔ بعض احادیث میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ فرشتوں کے سامنے مباہات کے انداز میں اپنے نیک بندوں کا ذکر کرتا ہے کہ میرے یہ بندے مجھ سے جنت مانگ رہے ہیں' حالانکہ انہوں نے جنت کو دیکھا نہیں ہے' اور یہ دوزخ سے پناہ مانگ رہے ہیں حالانکہ انہوں نے دوزخ دیکھی نہیں ہے۔ تو جو شخص غیب میں ہونے کے باوجود اللہ اور اس کے رسولوں کی مدد کے لئے تیار ہے اس نے جو دیکھا ہے دل کی آنکھ سے دیکھا ہے' عقل کی آنکھ سے دیکھا ہے۔ ظاہر کی آنکھ سے کچھ نہ دیکھنے کے باوجود وہ پکار اٹھتا ہے:

﴿اِنَّ صَلَاتِیْ وَنُسُکِیْ وَمَحْیَایَ وَمَمَاتِیْ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ﴾

غیب کے ضمن میں کسی کا یہ خیال ہو سکتا ہے کہ رسول تو غیب میں نہیں تھے یا صحابہ کرام ؓ تو رسول اللہ ﷺ سے غیب میں نہیں تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ صحابہ ؓ بھی غیب میں تھے' اس لئے کہ اُن کے سامنے جو موجود تھے وہ محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب تھے' رسول اللہ ﷺ کی رسالت تو غیب ہی کا معاملہ ہے۔ کیا کسی نے اپنی آنکھوں سے جبرائیلؑ کو

آتے ہوئے دیکھا تھا؟ جبرائیلؑ اگر کبھی انسانی شکل میں آئے بھی تھے تو وہ تو گویا ایک انسان تھا جو آیا اور مل کر چلا گیا۔ درحقیقت رسول کی رسالت بھی غیب کی بات ہی تھی اور اُس سے اس وقت وہ لوگ بھی غیب میں تھے جو سامنے نظر آتے تھے۔ اسی لئے تو ان کے درمیان منافقین کا ایک طبقہ پیدا ہو گیا تھا جو کہتے تھے کہ ہم ان کی ہر بات کیوں مانیں؟ ان کے بھی دو ہاتھ ہیں' دو پاؤں ہیں' البتہ جو قرآن یہ کہتے ہیں کہ ان پر نازل ہوا' اس کو ہم مان لیں گے۔ ہمارے ہاں بھی ''حَسْبُنَا كِتَابُ اللّٰه'' کے قائلین ''اہل قرآن'' کا جو فتنہ ہے' درحقیقت اس کی جڑیں انہی منافقوں کے ساتھ ملتی ہیں۔

تو یہ جان لیجئے کہ اصل میں جو اللہ کی مدد کر رہا ہے وہ اللہ کے رسولؐ کی مدد کر رہا ہے۔ وہ مدد درحقیقت محمد بن عبداللہ بن عبدالمطلب کی نہیں کر رہا' محمد رسول اللہ ﷺ کی کر رہا ہے' اور ظاہر بات ہے ان کی رسالت کا معاملہ غیب کا ہے۔ ﴿وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ مَنْ يَّنْصُرُهٗ وَرُسُلَهٗ بِالْغَيْبِ ۭ﴾ ''تاکہ اللہ دیکھے (یا اللہ ظاہر کر دے) کون ہیں (اس کے وفادار اور صادق الایمان بندے) جو غیب میں ہونے کے باوجود اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتے ہیں''۔ جان ہتھیلی پر رکھ کر تلوار کی طاقت ہاتھ میں لے کر باطل نظام کا قلع قمع کرنے کے لئے میدان میں آتے ہیں' یا اگر تلوار ہاتھ میں نہیں بھی لیتے تو یک طرفہ جنگ کی صورت میں اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرتے ہیں۔

جیسا کہ میں نے عرض کیا' اس دور میں ''مسلح تصادم'' کے متبادل کے لئے اجتہاد کرنا پڑے گا۔ اس لئے کہ ایک تو ہمارے حکمران جیسے بھی ہیں' بہرحال مسلمان ہیں۔ دوسرے یہ کہ اب حکومتوں کے پاس بہت بڑے پیمانے پر مسلح افواج (Armed Forces) ہیں جن کا مقابلہ ممکن نہیں۔ عرب کا حال یہ تھا کہ وہاں کوئی باقاعدہ حکومت قائم نہیں تھی اور کوئی سٹینڈنگ آرمیز بھی نہیں' لہٰذا تعداد اور اسلحہ کے اعتبار سے اتنا بڑا فرق نہیں تھا۔ بدر میں تین سو تیرہ مسلمانوں کے مقابلے میں ایک ہزار کفار آئے تھے۔ اس طرح ان میں ایک اور تین کی نسبت ہوئی۔ ہتھیاروں کا فرق لگا لیجئے تو ایک اور دس کی یا ایک اور بیس کی نسبت ہو سکتی ہے۔ چلئے ایک اور سو کی نسبت ہو گی' اس سے تو زیادہ

نسبت نہیں تھی۔ لیکن یہاں جاگیرداری' سرمایہ داری اور ملوکیت کا جو نظام ہے اس کی طاقت کا تو اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ شاہ فہد کی حکومت کو تحفظ دینے والے ان کی فوج بھی ہے' پولیس بھی ہے' ایئر فورس بھی ہے۔ مصر میں الاخوان کا مضبوط گڑھ ایئر فورس کے ہاتھوں تہس نہس کرا دیا گیا تھا۔ لہٰذا یہاں اجتہاد کی ضرورت ہے۔ بہرحال جو بھی جس کا حق ہے وہ ادا کیا جانا چاہئے۔ میرے نزدیک اس دَور میں ایرانیوں نے اس کی ایک مثال پیش کی ہے کہ دو طرفہ جنگ کے بجائے یک طرفہ جنگ کا انداز اپنایا اور گولیاں کھانے کے لئے اپنے سینے کھول دیئے۔ اس ضمن میں ایسے ایسے لرزہ خیز واقعات ہوئے ہیں کہ ایک جلوس صرف خواتین کا نکلا تھا جو بچوں کو گود میں لئے ہوئے تھیں۔ ان پر فائرنگ ہوئی تو یہ گولیاں کھا کر شیر خوار بچوں سمیت سڑک پر گر پڑیں۔ جب معاملہ یہاں تک پہنچا تب شاہ کو وہاں سے تخت و تاج چھوڑ کر اس طرح بھاگنا پڑا کہ ع

دو گز زمین بھی نہ ملی کوئے یار میں!

کیونکہ اب اسے اندیشہ تھا کہ کہیں فوج اچانک مجھ پر الٹ نہ پڑے۔ اس نے اسی میں عافیت سمجھی کہ اپنی جان سلامت لے کر بھاگ کھڑا ہو۔ تو یہ ہے اصل میں موجودہ حالات کے اعتبار سے اجتہاد کا معاملہ' جسے میں تفصیل سے اپنی کتاب میں درج کر چکا ہوں۔

اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ

آیت کے مبارکہ کے آخری الفاظ ہیں: ﴿ اِنَّ اللّٰہَ قَوِیٌّ عَزِیْزٌ ﴾ ''یقیناً اللہ بڑی قوت والا' زبردست ہے''۔ یہ نہ سمجھو کہ اللہ تم سے مدد مانگ رہا ہے تو اللہ کمزور ہے اور اس کو تمہاری مدد کی حاجت ہے۔ وہ تو القوی ہے' بڑی قوت والا ہے۔ العزیز ہے' زبردست ہے۔ اس کا ایک حرفِ کن آنِ واحد میں یہ سارا نظام تلپٹ کر سکتا ہے' لیکن اصل میں پیش نظر تمہارا امتحان ہے:

﴿ خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَیٰوۃَ لِیَبْلُوَکُمْ اَیُّکُمْ اَحْسَنُ عَمَلًا ﴾ (الملک:۲)

''اس نے موت اور زندگی کو پیدا کیا تاکہ تمہیں آزما کر دیکھے کہ تم میں سے کون

بہتر عمل کرنے والا ہے''۔

قلزمِ ہستی سے تو ابھرا ہے مانند حباب
اس زیاں خانے میں تیرا امتحاں ہے زندگی!

تمہیں ثابت کرنا ہوگا کہ تم اس امتحان میں پورے اترے ہو۔

اس ضمن میں آیت ۱۰ اس کے ساتھ جوڑ لیجئے:

﴿لَا يَسْتَوِىْ مِنْكُمْ مَّنْ اَنْفَقَ مِنْ قَبْلِ الْفَتْحِ وَقَاتَلَ ؕ اُولٰٓئِكَ اَعْظَمُ دَرَجَةً مِّنَ الَّذِيْنَ اَنْفَقُوْا مِنْ بَعْدُ وَقٰتَلُوْا ؕ﴾

''تم میں سے جو لوگ فتح کے بعد انفاق اور قتال کریں گے وہ کبھی ان لوگوں کے برابر نہیں ہو سکتے جنہوں نے فتح سے پہلے انفاق اور قتال کیا۔ ان کا درجہ بعد میں انفاق اور قتال کرنے والوں سے بہت بڑھ کر ہے''۔

کسی انقلاب کے جو ابتدائی مراحل ہوتے ہیں ان میں جنہوں نے اپنی جانیں کھپائیں' اپنے مال کھپائے' اپنی صلاحیتیں لگائیں' اپنا وقت لگایا' اپنی زندگی لگائی' ان کا جو رتبہ ہے وہ بعد والوں کو کبھی نہیں مل سکتا۔ ع یہ رتبۂ بلند ملا جس کو مل گیا! بعد میں جب حالات بدل جائیں تو ان قربانیوں کی وہ قدر و قیمت نہیں رہے گی۔ نیک کام جب بھی کیا جائے گا بہر حال نیک ہے' اس کا ثواب ملے گا' لیکن قدر و قیمت میں زمین و آسمان کا فرق واقع ہو جائے گا۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بات بھی ذہن میں رکھئے کہ یہ سب کچھ اس لئے کرنا ہے کہ اللہ تمہیں آزمانا چاہتا ہے۔ وہ دیکھنا چاہتا ہے کہ کون اس کی اور اس کے رسولوں کی مدد کرتا ہے غیب کے باوجود ــــــ جبکہ اللہ خود بڑی طاقت والا' زبردست ہے۔ وہ جب چاہے آنِ واحد میں اپنا نظام برپا کر سکتا ہے۔ لیکن تمہاری اطلاع و آزمائش کے لئے وہ تمہیں یہ موقع دے رہا ہے۔ آخر میں یہ شعر پھر آپ کے گوش گزار کر رہا ہوں۔

منت منہ کہ خدمتِ سلطاں ہمی کنی
منت شناس ازو کہ بخدمت بداشتت!

(باقی صفحہ 30 پر)